Vol.4 No.3 2021

JAHAN E TAHQEEQ جہانِ تحقیق

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

مجلہ ”ہمایوں“ اور ”آثار قدیمہ“

*عبدالرسول ارشد

Abstract:

Literary journals have played an important role in the promotion and development of Urdu language. There was a literary service. Humayun tried his best to make the Urdu movement a success. Humayun has been the best reflection of Eastern, cultural, scientific and literary life. Humayun created healthy literature and also expressed healthy values. Humayun tried to make literature bound to a specific oriental style of ethics and did not give it a specific standard. Humayun established a certain standard of literature and aesthetics.Our past history is related to our present. Archeology gives a sense of the past, a vision of the future. Archeology history shows that the reason for the decline of nations is when they become oblivious to their purpose in life. While step means old age. If we look at the archeology in Urdu literature, it becomes clear that literature like the city of turmoil, lamentation is also related to archeology. Compared to Maulana Zafar Ali Khan, Hali, Maulana Shibli Nomani, Mushafi Jarat, Iqbal are some of the writers who have given a brief overview of archeology in Urdu Kalam. The names of Tamkeen Kazmi, Hassan Nizami, Deewana Barelvi, Shamim, Mather, Mubarak Ali, Maqbool Rehman, Mansoor Ahmed, Musa, Muhammad Akhtar Waheed, Asad Ashhari, Aizaz-ud-Din Nawab, Falak Pima Abdul Aziz and others are worth mentioning.

Keywords: *Archeology, Decline, Oblivious, City of Turmoil, Lamentation*

کلیدی الفاظ: آثارِ قدیمہ، زوال، غافل، شہر آشوب، نوحہ

ملخص:

اردو زبان کی ترویج وترقی میں ادبی رسائل نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ مدیر ہمایوں نے بابائے اردو کے مشن کو پنجاب میں ۳۵سال کامیاب بنایااور ایک تحریک کا درجہ حاصل کیا۔ ہمایوں کے ادیب خاموش سوچ کے علم بردار تھے اور ان کا مقصد ادبی خدمت تھی۔ ہمایوں نے تحریک اردو کو کامیاب کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ ہمایوں مشرقی، تہذیبی، ثقافتی ،علمی اور ادبی زندگی کی بہترین عکاسی کرتا رہا ہے۔ ہمایوں نے صحت مند ادب تخلیق کیااور صحت مند اقدار کی ترجمانی بھی کی۔ ہمایوں نے ادب کو اخلاقیات کے مخصوص مشرقی انداز کا پابند بنانے کی سعی کی اور اسے ایک مخصوص معیار نہیں دیا۔ تخلیقی ادب پر لطافت اور شگفتگی محسوس ہوتی ہے۔ ادب و جمالیات کا ایک مخصوص معیار قائم کیا۔ ہمایوں نے حلقہ اربابِ ذوق، رومانوی تحریک اور اس کے علاوہ ترقی پسند تحریک ادباء کو بھی جگہ دی۔ ہماری گزشتہ تاریخ کا تعلق ہمارے موجودہ زمانے سے وابستہ ہے۔ آثارِ قدیمہ سے ماضی کا شعور مستقبل کی بصیرت ملتی ہے۔ آثارِ قدیمہ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں پر زوال کی وجہ یہ ہے جب وہ اپنے مقصدِ حیات سے غافل ہو جاتے ہیں۔ عربی زبان سے تعلق رکھنے والا لفظ آثار کا مطلب ہے نشان، جبکہ قِدم کا مطلب ہے پرانا پن۔ اگر ہم اردو ادب میں آثارِ قدیمہ پر نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شہر آشوب جیسا ادب کا تعلق نوحے کا تعلق بھی آثارِ قدیمہ سے ہے۔ شعری ادب میں کتب شاہ نے کہیں کے آثارِ قدیمہ کا ذکر کیا ہے۔ جیسے کہ سورج کو یوسف فلک سے تشبیہ دی ہے۔

---

*پی۔ایچ۔ڈی سکالر لاہور، گیریژن یونیورسٹی لاہور

مولانا ظفر علی خان، حالیؔ، مولانا شبلی نعمانی، مصحفی جرات، اقبال ایسے ادیب ہیں جنہوں نے اردو کلام میں آثارِ قدیمہ کے اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ ہمایوں میں آثارِ قدیمہ کے موضوع پر لکھنے واوں میں مولوی عبداللہ، بشیر احمد، تاجور نجیب آبادی، تمکین کاظمی، حسن نظامی، دیوانہ بریلوی، شیم، ماثر، مبارک علی، مقبول رحمان، منصور احمد، موسیٰ، محمد اختر وحید، اسد اشہری، اعزاز الدین نواب، فلک پیاعبدالعزیز وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

عبداللہ مولوی مغربی مستشرقین سے بیشتر عرب آثار قدیمہ کے دریافت کرنے میں خاص دلچسپی رکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی معلومات کے ذخیرے کو کتابوں کی حد تک رکھا لیکن اب دنیا مغربی مستشرقین میں ان تحقیقات کے دستِ نگر ہیں اور عرب محققیین کا سرمایہ گمنامی کی قربتیں گم ہے۔ مضمون نگار! حقرعبداللہ نے "مآثر الملک توت غنخ امن" کے عنوان سے مضمون جو کہ شمارہ اکتوبر ۱۹۲۴ میں شائع ہوا میں توت غنخ امن عبداللہ کے نام اور کتبوں کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ غنخ امن نس اس کی بیوی کا نام ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ کریں

اس مجلس کے گرد جو کتبہ ہے اس کے یہ معنیٰ ہیں "قبلہ اشورہ" کا جزیہ اہل جنت المنحتب کے گوشہ کے نیچے اتھوپیا اور حاکم اقطار جنوبیہ کی طرف واقع ہے"۔ ایک کتبہ اشورین کے اوپر ہے جس کے معنی ہیں "یہ تمام قبیلہ اشورہ شاہ مصر کو اس کے بادشاہ ہونے سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ جب جاننے لگا تو اس سے عفوورضا کا یسائل ہوتا تھا ان کا قول ہے کہ نصرو اعانیت اس کے یہاں لغت کیے گئے اور دشمن اس کے زمانے میں معدوم تھے اور لوگ امن وراحت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے [۱]"

بشیر احمد نے اپنے مضمون نشاط باغ جو کہ اپریل ۱۹۲۲ء کے شمارے میں شائع ہوا میں مغلوں کی شان و شوکت کا اظہار کرتے ہیں۔ نشاط باغ ایسا باغ تھا جس کا پھل صرف بادشاہ کھاتے ہیں۔ کشمیر کے دارالسلطنت سرک نگر کے قریب جھیل کے مشرقی کنارے یہ باغ واقع ہے۔ درج ذیل اقتباس کو ملاحظہ فرمائیں

"یہ باغ کشمیر کے دارالسلطنت سری نگر کے قریب مشہور ڈل جھیل کے مشرقی کنارے پر ساحلی پہاڑوں کے دامن' میں واقع ہے۔ وہ سڑک جو جھیل اور باغ نے بیچ میں مائل ہے۔ مغلوں کے وقت میں موجود نہ تھی اور باغ کا باپ داخلہ ٹھیک جھیل کے کنارے پر تھا"[۲]

تاجور نجیب آبادی کا مضمون "جہانگیر اور اس کا مقبرہ" "ہمایوں" کے شمارے فروری ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں جہانگیر کی زندگی کا حال بیان کرنے کے بعد اس کے عالی شان مقبرے کے متعلق معلومات بیان کی گئی ہیں۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں

"بایں ہمہ مقبرہ جہانگیر تاج محل کے بعد ہندوستان کی سب سے دلکش سب سے گرانقدر اور سب حسن عمارتوں میں ہے۔ پنجاب کا دارلسلطنت مع اپنی شاندار عمارت اور رزق برق کوٹھیوں کے اس لالہ صحرائی پر نثار کیا جاسکتا ہے۔"[۳]

۱۸۹۸ء میں مسٹر ہیری کوزیں، ایم آر اے مہتمم آرکیولاجیکل سروے بنئی کو گورنمنٹ آف انڈیا نے مملکت سرکار نظام کے آثار قدیمہ کی فہرست تیار کرنے کیلئے متعین کیا اور انہوں نے سال بھر تک ممالک محروسہ سرکار نظام کا دورہ کر کے ۱۸۹۹ء میں ہوا سیریز آف آکریولاجیکل سروے آف انڈیا الکسریں جلد شائع کی یہ کتاب ممالک محروسہ نظام کار کے ماخذت پر ہے اور اس میں جس قدر مواد ہے سرکار نظام کے اخراجات سے فراہم ہوا ہے۔

تمکین کاظمی نے اپنے مضمون "دکن کے آثار قدیمہ" میں دکن کے آثار قدیمہ پر الگ الگ روشنی ڈالی ہے۔ یہ مضمون جون ۱۹۲۵ء کے شمارے میں شائع کیا گیا۔ اس مضمون میں اس نے ایلورا کے غاروں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں

مسٹر کوزنس نے کل ۱۱۶ آثار قابل حفاظت بتلائے جن میں سے ۹۴ ہر سرکاری قبضہ ہے اور ۶۷ خانگی ہیں، ۶۵ قدامت اور تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے حفاظت اور مرمت کے قابل ہیں اور ۱۵ صرف محفوظ رکھنے کے قابل، یہ آثار مندروں غاروں، مسجدوں، مقبروں، قلعوں کتبوں وغیرہ پر مشتمل ہیں"[۴]

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حسن نظامی نے ہمایوں کے جنوری ۱۹۲۲ء کے شمارے میں "شاہاں تیمور کی آخری قبر" کے عنوان سے مضمون لکھا۔ اس میں مصنف نے بہادر شاہ ظفر کی قبر کے بارے میں لکھا ہے ان کی قبر برما کے شہر رنگون میں ہے اور بعد میں دنیا کے فانی ہونے پر افسوس کے اظہار کیا گیا ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں

"جسکو انگریز گریٹ مغل ایمپائر کہتے ہیں۔ اس کا آخری جانشین خاک کا دوشالہ اوڑھے سوتا تھا یہ اپنے وطن دہلی سے ہزار ہا میل دور اسیری، غریبی اور بے کسی کے عالم میں لحد کے اندر لیٹا دنیا کے عروج وزوال کا درس دے رہا تھا"[۵]

حسن نظامی نے ہمایوں کے جنوری ۱۹۲۷ء کے شمارے میں "ہمایوں کا مقبرہ" کے عنوان نے ہمایوں کے مقبرے سے متعلق لکھا ہے کہ وہ کس قدر شان دار تھا۔ اس کی مختصر تاریخ اور تاریخی اہمیت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں

"ہمایوں کا مقبرہ دہلی کی تفریح گاہوں میں شمار کیا جاتا ہے مقبرے کے چاروں طرف خوبصورت موفن ہیں اور بہت اچھا چمن ہے اور ہزاروں سیاح محض تفریح کیلئے یہاں آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل لوگ مرنے کے بعد بھی اپنی قبروں سے لوگوں کو ڈراتے نہیں بلکہ خوش اور مسرور کرتے ہیں۔ ہمایوں کی نیک مزاجی تاریخوں میں مشہور ہے گر اس کا مقبرہ بھی اس کی نیک مزاجی کو نمایاں کرتا ہے کہ اس کے اندر جاکر انسان کو محب طرح سکون اور اطمینان میسر آجاتا ہے جو بہت کم مقبروں میں دیکھا گیا ہے"[۶]

دیوانہ بریلوی نے "چین کی دیوار عظیم" کے عنوان سے مضمون اگست ۱۹۳۱ء کے شمارے میں لکھا۔ اس مضمون میں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ دیوار چین کا یہ نام کس وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اور اس کی تعمیر کے دوران پیش آنے والے کٹھن مراحل کے بارے میں بیان کیا ہے اور آخر میں اس دیوار کی حفاظتی اہمیت کو نظر انداز کرنے پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں

"ماہرین علم نجوم کہتے ہیں کہ چاند سے کرئہ زمیں پر انسانی صنعت کا نمونہ اگر کوئی دیکھا جاسکتا ہے تو یہی جس کی عظیم الشان دیوار ہے۔ اس جرات افزا عمارت کی جسامت کا سطحی اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ اگر اس جملہ سامان سے جو اس کی تعمیر میں استعمال کیا گیا خط استوا پر کرئہ ارض کی حلقہ بندی کی جائے تو ایک آٹھ فیٹ اونچی اور تیس فٹ موٹی دیوار تیار ہو جائے گی ۔۱۷۹۰ء میں لارڈ میگا اٹنی کے ایک سفر نے تخمینہ کیا ہے کہ اس دیوار عظیم میں ممالک متحدہ(امریکہ) کی مجموعی عمارتوں سے کہیں زیادہ تعداد پتھر اور اینٹوں کی موجود ہے"[۷]

" شمیم " نے "شالامار باغ" کے عنوان سے ایک مضمون جنوری ۱۹۲۲ء کے شمارے میں لکھا۔ مصنف نے مختلف زبانوں کے الفاظ کا جائزہ لے کر اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھا اور اس مرکب لفظ کے بارے میں لوگوں کے مختلف مفہوم کے بارے میں بھی مصنف نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں اس کی تعمیر کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں

"شالامار دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک شالا دوسرا مار بزبان ہندی گھر کو کہتے ہیں مثلاً دھرم شالا، گؤ شالہ، پاٹ شالہ وغیرہ مار فارسی میں سانپ کو کہتے ہیں اور کشمیری زبان میں یدی یا نالہ کو کہتے ہیں۔ واقع ہے کہ اور اس میں شمالی پہاڑی کی جانب سے پائی آتا ہے مڑل کے ایک طرف ایک نالہ ہے جسے نالہ مار کہتے ہیں بعض خیال کرتے ہیں کہ شالامار ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنے باغ کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ "شعلہ ماہ" سے بگڑ کر شالامار بن گیا ہے"[۸]

ماثر نے ایک مضمون "مصر کے آثار قدیمہ" کے عنوان سے اکتوبر ۱۹۲۴ء کے شمارے میں لکھا۔ اس میں اس نے ذیل کا مضمون فرعون ایمن کے مقبرے کی صرف ان کھلائیوں سے تعلق رکھتا ہے جو ۱۹۲۲ء کے موسم سرما میں عمل میں آئیں، ۱۹۲۳ء میں مزید سفریات کے بعد اور بہت سے جدید اور اہم انکشافات ہوئے ہیں جس میں شاہ ایمن کے سنگین سنہری تابوت کا بحالت محفوظ دستیاب ہونا بھی شامل ہے۔ تابوت ابھی تک کھولا نہیں گیا۔ مگر یہ دلچسپ بیان بذات خود ایک الگ مضمون ہے اور انشاءاللہ

عنقریب ہدیہ ناظرین ہو گا۔ توت غنخ امن کے مقبرے کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ مقبرہ ۱۹۲۴ء میں دریافت ہوا۔ یہ مقبرہ وادی الملوک میں واقع ہے انھوں نے بتایا ہے کہ اس سے اس وقت کی طرز معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

> " مضمون زیر بحث کی اعراض کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ۴۴۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۳۴۰ق م تک ۳۰ خاندانوں نے مصر پر حکومت کی اور شاہ ایمن کا تعلق ان میں سے اٹھارہویں خاندان کے ساتھ تھا۔ جس کا عہد حکومت حور فین نے ۱۵۵۰ق م اور ۱۳۰۰ق م کے مابین قرار دیا ہے۔ اور یہی وہ عہد تھا جس میں مصریوں کی تہذیب منتہائے ترقی تک پہنچ گئی تھی۔ "[۹]

مبارک علی نے ہمایوں کے دسمبر ۱۹۲۵ء کے شمارے میں "اہرام مصری اور توتخ امین کا مقبرہ" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا۔ اس میں مصنف نے اہرام مصر پر روشنی ڈالی ہے اور توت غنخ امن کے مقبرے کے بارے میں لکھا ہے اور ابوالہنول عجائب گھر کی روشنیوں کے بارے میں بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں مزید یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ مجھے مزار سال پہلے بھی مقبری صنعت لو حرفت میں کس قدر آگے تھے۔ درج ذیل اقتاس ملاحظہ فرمائیں۔

> "توتخ امین کی قبر ۱۹۲۴ء کے شروع میں لارڈ کارنارن اور ییسٹر کارٹر انجینئر (مشہور ماہران مصریات) نے شہر قاہرہ سے قریباً تین ساڑھے تین صد میل کے فاصلے پر لکسر کے ٹیلوں میں توتخ امین کی قبر دریافت کی۔ میری موجودگی مصر کے دنوں میں قبر کے بیرونی کمرے سہی کھولے گئے تھے۔ بعض مصری اسے قارون کی قبر کہتے ہیں۔ کیونکہ پچھلے سال بیرونی کمروں کی دولت ہی سے (جس کا اندازہ ۱۲ ملیون پونڈ لگایا گیا تھا) ماہرین فرنگ نے تسلیم کر لیا تھا۔ کہ آج تک اس قدر قیمتی وضیفہ دنیا میں کبھی دستیاب نہیں ہوا تا کھٹی کمروں میں زروجواہر کے علاوہ بکثرت بہت سامان خوردونوش آسائشی اشیا اور برتن وغیرہ برآمد ہوئے تھے۔"[۱۰]

مقبول ارحمٰن نے "سمرقند" کے عنوان سے دسمبر ۱۹۳۰ء کے شمارے میں ایک مضمون لکھا۔ سمرقند کے فن تعمیر، تاریخی یادگاروں اور فنون لطیفہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اہل یورت کی فن تعمیر اسلامی فنون کی مرہون منت ہے اس طرح اس شعبے میں مسلمانوں کے فن کو تسلیم کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

> "باوجود پانچ سو برس کے طویل زمانہ کے جس میں سینکڑوں انقلابات ہوئے اور سمرقند کی فضا میں بیسیوں تبدیلیاں ہوئیں، ان عمارات کا کام اور نقش و نگار اتنے نئے ہیں کہ یہ گمان ہوتا ہے کہ ابھی کل ہی بن کر تیار ہوئی ہیں یورپ کے فن تعمیر کی یادگاروں اور مقبروں کے خلاف، ان عمارتوں کو انقلاب زمانہ کا زبردست ہاتھ پامال نہ کر سکا اور آج تک دنیا کے بڑے بڑے ماہرین فن ان کی غیر فانی زندگی اور ادبی شباب سے متحیر ہیں"[۱۱]

منصور احمد نے اپنے مضمون "مقبرہ زبیدہ" جو جنوری ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے جعفرین منصور کی بیٹی اور خلیفہ ہارون کی بیوی کے مقبرے کے بارے میں لکھا ہے۔ جو کہ بغداد کے شہر میں واقع ہے اور اس کا نام الکرخ رکھا گیا ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

> "مقبری بغداد ریلوے کے اسٹیشن سے تقریباً دو سو قدم کے فاصلے پر واقع۔ اس کے قرب و جواد میں بہت سے اولیاء و علما کے مزار بھی ہیں جن میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں۔ حضرت الشیخ الکرخی۔ حضرت منصور ابن حلاج۔ حضرت عون و حضرت بہلول"[۱۲]

موسیٰ محمد (دتاولی) کا مضمون ہمایوں کے شمارے جولائی ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا جس کا عنوان تھا "حیدر آباد، دکن" اس میں مصنف حیدر آباد دکن کی خوبصورتی بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے کتب فانون اور درسگاہوں جن میں جامعہ عثمانیہ کا ذکر خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک رصد گاہ کا بھی ذکر کیا ہے جہاں احرام کے مشاہدات، پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"معلوم ہوتا ہے کہ سالار جنگ اول کے زمانہ سے حیدرآباد والوں کو علمی باتوں کی طرف توجہ رہی ہے۔ سنا ہے کہ اس وقت مولوی سید علی بلگرامی مرحوم کا ایک بے نظیر کتب خانہ تھا۔ ان کے بڑے بھائی مولوی سید حسین بلگرامی کا ذاتی کتب خانہ بھی نایاب کتابوں سے لبریز تھا۔ جس کا مستقل عملہ الگ ہے۔ نواب سرور جنگ بہادر کا کتب خانہ جو نواب صاحب نے اپنے مرحوم چھوٹے بیٹے کے یتیم بچوں کو دے دیا ہے۔"[۱۳]

موسیٰ محمد (دتاولی) نے "حیدر آباد دکن" کے عنوان سے ایک مضمون مارچ ۱۹۲۵ء کے شمارے میں لکھا۔ اس میں حیدر آباد کی مصنوعات کا ذکر کیا گیا ہے اور ان مصنوعات کی تعریف بھی بیان کی گئی ہے اسلامی روزہ داری اور شان کا ذکر بھی اس مضمون میں ملتا ہے۔ حیدر آباد میں منعقد ہونے والے جلسوں اور قومی مضفلوں کا ذکر بھی اس مضمون میں ملتا ہے۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"حیدرآباد دکن میں لوگوں سے ملنے جلنے اور دیکھ بھال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی علمی حالت یہاں کی دیسی صنعت کی ترقی کا ان لوگوں پر کیا اثر ہے اور ان کی طرز معاشرت میں ان کی باتوں کو کہاں تک مداخلت ہے علمی حالت کے اندازے کے واسطے یہاں کی ایک دوستانہ دعوت کا اگر تذکرہ کر دیا جائے تو کچھ غیر مناسب نہ ہو گا۔"[۱۴]

ہلال احمد زبیری نے "تاج" کے عنوان سے ایک مضمون اپریل ۱۹۲۶ء کے شمارے میں لکھا۔ اس میں مغلیہ خاندان کے مشہور یادگار تاج محل کی تعمیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ اور عمارت کے مکمل ہونے کے بعد اس کی وضاحت کو مختصر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں مختلف مورخین اور سیاحوں کے مشوروں کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"ٹریورینڈ نے جو ایک فرانسیسی سیاح تھا اور شاہجہاں کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔ مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے۔ بائیس سال تک بیس ہزار آدمیوں نے متواتر کام کیا ہے اس کے بعد تاج کی عمارت تکمیل کو پہنچی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصارف کس قدر کثیر ہوئے ہوں گے کہ جاتا ہے کہ جتنا روپیہ عمارت کی تعمیر میں صرف ہوا ہے اسی قدر صرف باڑہ بنانے میں صرف ہوا ہے کیونکہ لکڑی کی کمی کے باعث تمام باڑا اینٹوں سے بنانی پڑی ہے حتیٰ کہ محرابوں کی ڈیزائننگ بھی اینٹوں سے بنائی ہیں۔ اس دشواری کے باعث روپیہ کے ساتھ ساتھ محنت بھی بہت زیادہ صرف ہوئی ہے۔
[۱۵]

اختر وحید مارچ ۱۹۵۰ء کے شمارے میں "موہنجوڈیرو" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ اس میں مصنف نے زمانہ قدیم کے شہر موہنجوڈیرو کے بارے میں لکھا ہے۔ دریائے سندھ، دجلہ، فرات اور نیل سے سیراب ہونے والی زمین کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس میں انھوں نے سندھ کے حدود اربعہ تا قدیم آبادی، اس کی تہذیبی ترقی، فن تعمیر، عروج اور زوال، تجارت، زبان اور رسم الخط، فنون لطیفہ، سنگ تراشی، مصوری، نقشہ کشی، لکڑی، پتھر اور دھات پر کھدائی، رسوم ورواج کے بارے میں بیان کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"ماہرین تاریخ کا خیال ہے کہ دنیا چار ہزار سال قبل مسیح وجود میں آئی تھی۔ لیکن موہنجودیرو کی برآمد شدہ چیزوں نے ان کے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ اب انکا خیال ہے کہ دنیا اس سے بیشتر وجود میں آئی تھی۔ تاریخ سے قبل کسی زمانہ میں دریائے سندھ کے کنارے ایک زبردست ایک متمدن اور مہذب قوم حکومت کرتی تھیجس کی صنعت و حرفت کو عروج حاصل تھا اور جس کے قانون کی بنیادیں اچھے اصولوں پر قائم تھیں۔"[۱۶]

اختر وحید نے جنوری ۱۹۵۱ء کے شمارے میں " چار ہزار سال پہلے کی پاکستانی تہذیب" کے عنوان سے مضمون لکھا۔ اس میں انھوں نے قدیم قلعہ ملتان کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ماہرین اس کا ہڑپہ اور موہنجوڈیرہ کی درمیانی کڑی قرار دیا ہے۔ اس میں مصنف نے قلعہ لاہور کی آبادی اور حدود اربعہ کے متعلق لکھا ہے۔ اور کوزہ گری کے بارے میں لکھا ہے۔ بیاں

سے قدیم ٹھیکریاں دریافت ہوئی ہیں جس سے ملتان کے قدیم رسم الخط سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ مصنف نے مضمون میں ان نقوش کی تصاویر کو بھی اپنے مضمون میں شامل کیا ہے اور اس زمانے کے علم ہیت، علم نجوم اور علم ہندسہ کو بھی پیش کیا ہے۔ اس زمانے میں مصوری اور آرٹ کیا تھا اس کو بھی بیان کیا ہے۔[۱۷]

اسعد اشہری اکتوبر ۱۹۵۲ء کے شمارے میں "پاکستان کے آثار قدیمہ" کے عنوان سے مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں پاکستان کے آثار قدیمہ کا ذکر ہے۔ اس میں امریکی ماہرین کی بلوچستان میں تحقیقات اور کھدائی کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے دوپن جوڈیرو اور بھمبھور کی کھدائی کا ذکر بھی اس مضمون میں ملتا ہے۔ مصنف نے چند سرخیوں مثال کے طور پر وادی سندھ کی تہذیب بھمبھور کی کھدائی، بلوچستان میں امریکی جماعت کی سیر گرمیاں دیبل کی تلاش، مشرقی پاکستان، تحفظ آثار قدیمہ اور قومی عجائب خانہ کے ذریعے پاکستان کے آثار قدیمہ کو کھول کر بیان کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"پاکستان کا اثار قدیمہ اس سلسلہ میں قابل تعریف کام سرانجام دے رہا ہے۔ یہ محکمہ ناصرف خود کھدائی اور تحقیقات کا کام سرانجام دیتا ہے بلکہ اس غرض سے دیگر اداروں کی بھی مدد کرتا ہے یورپ اور امریکہ میں پاکستان کے آثار قدیمہ سے دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے چنانچہ یہ محکمہ امریکہ اور یورپ کے ماہرین کی ان جماعتوں کی امداد اور راہبری کرتا ہے جو اثار قدیمہ تلاش کرتے اور ان کا مطالعہ کرنے کی غرض سے پاکستان آئے ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ نے موہنجو دیرو اور بھمبھو کی جو کھدائی کی ہے اور امریکی ماہرین کی ایک جماعت نے بلوچستان میں جو تحقیقات اور کھدائی کا کام انجام دیا ہے اس کا اس موقع پر تذکرہ بے محل نہ ہو گا"۔[۱۸]

اعزاز الدین نواب نے جنوری ۱۹۴۶ء کے شمارے میں "ٹیکسلا" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا۔ اس مضمون میں مضمون تحریر کیا۔ اس مضمون میں مصنف نے ٹیکسلا شہر اور اس کے جائے وقوعہ کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ چینی سیاح فاھیان اس شہر کو چوشاشیلو کہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف سیاحوں کی آراء بھی اس مضمون میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ٹیکسلا کے کھنڈرات عمارتیں اور خانقاہیں بھی اس میں زیر بحث لائی گئی ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"میرا یہ مضمون کسی ذاتی تحقق کی بنیاد پر ضبط تحیری میں نہیں لایا گیا بلکہ اسے ان تین باب کا خلاصہ سمجھنا چاہیے جو خان صاحب چودھری محمد حمید خان قریشی بی۔ اے سابق سپریٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ گورمنٹ ہند نے اپنے ترجمہ اردو میں "گائیڈ ٹو ٹیکسلا" سے کی ہے جسکے مصنف سر جان مارشل صاحب سابق ڈائریکٹر محکمہ آثار قدیمہ گورنمنٹ ہند تھے۔ او جن کی متواتر کئی سالوں کی متواتر کوشش کا نتیجہ ہے کہ ٹیکسلا کے قدیمی کھنڈرات اب اسی حالت میں نمودار ہوئے ہین کہ ان سے تاریخی معلومات کے علاوہ فن تعمیرات اور دیگر امور کے بارے میں کوئی سبق حاصل ہو سکے"[۱۹]

" فلک پیما عبد العزیز" نے شمارہ مئی ۱۹۵۰ء میں "محو شدہ تہذیب" کے عنوان سے مضمون لکھا ہے مضمون نگار نے اس مضمون میں جیلستان اسکی تہذیب کے بارے میں خیالات کا اظہار کیا ہے۔۔ جغرافیہ دانوں کے نزدیک جیلستان ایک جزیرہ ہے جو کہ آسٹریلیاں کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس میں ان کو ایک چینی کی بیاض ملی ہے۔ جس میں انکے تہذیب کے خدوخال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"جیلستان کی تاریخ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ چاہے کوئی قوم بزرگ پرستی کرے یا خود پرستی کرے ی وقت پ؛رستی کرے ہمیشہ قائم رہ نہیں سکتی۔ ان فلاسفروں کا قول یہ ہے کہ قومیں زندگی کے سمندر میں لہریں ہوئی ہیں ایک جیسی رفتار ہیں مگر ہر ایک قوم سمجھتی ہے کہ وہ سب سے افضل ہے۔"[۲۰]

حوالہ جات

۱۔ عبداللہ، "ماثر ال تو تغنخ امن"، اکتوبر ۱۹۲۴ء، ص ۲۳۳
۲۔ بشیر احمد، "نشاطِ باغ"، "ہمایوں"، شمارہ اپریل ۱۹۲۲ء، ص ۹
۳۔ تاجور نجیب آبادی، "جہانگیر اور اسکا مقبرہ"، "ہمایوں" شمارہ فروری ۱۹۲۳ء، ص ۸۸

Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

۴۔ تمکین کاظمی، ”دکن کے آثارِ قدیمہ“، ”ہمایوں“، شمارہ جون، ۱۹۲۵ء، ص ۳۲۷

۵۔ حسن نظامی، ”شاہان مغلیہ کی آخری قبر“، ”ہمایوں“، شمارہ جنوری۔ ۱۹۲۲ء، ص ۶۴

۶۔ حسن نظامی، ”ہمایوں کا مقبرہ“، ”ہمایوں“، شمارہ، جنوری ۱۹۲۷ء، ص ۲۳۲

۷۔ دیوانہ بریلوی، ”چین کی دیوارِ عظیم“، ”ہمایوں“، شمارہ، اگست، ص ۶۰۷

۸۔ شمیم، ”شالامار باغ“، ”ہمایوں“، شمارہ، جنوری ۱۹۲۲ء

۹۔ ماثر، ”مصر کے آثارِ قدیمہ“، ”ہمایوں“، شمارہ، اکتوبر ۱۹۲۴ء، ص ۲۰۹

۱۰۔ مبارک علی، ”اہرام مصری اور توتخ امین کا مقبرہ“، ”ہمایوں“، شمارہ، دسمبر ۱۹۲۵ء، ص ۳۳۹

۱۱۔ مقبول رحمن، ”سمرقند“، ”ہمایوں“، شمارہ، دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۹۴۰

۱۲۔ منصور احمد، ”مقبرہ زبیدہ“، ”ہمایوں“، شمارہ، جنوری ۱۹۳۰ء، ص

۱۳۔ موسیٰ محمد، ”حیدرآباد دکن“، ”ہمایوں“، شمارہ، جولائی ۱۹۲۴ء

۱۴۔ موسیٰ محمد، ”حیدرآباد“، ”ہمایوں“، شمارہ، مارچ ۱۹۲۵ء

۱۵۔ ہلال احمد زبیری، ”تاج“، ”ہمایوں“ شمارہ، اپریل ۱۹۲۶ء

۱۶۔ اختر وحید، ”موہنجوڈیرو“، ”ہمایوں“، شمارہ، مارچ ۱۹۵۰ء

۱۷۔ اختر وحید، ”چار ہزار سال پہلے کی پاکستانی تہذیب“، ”ہمایوں“، شمارہ، جنوری ۱۹۵۱ء

۱۸۔ اسرار اشہری، ”پاکستان کے آثار قدیمہ“، ”ہمایوں“، شمارہ، اکتوبر ۱۹۵۲ء

۱۹۔ اعزازالدین نواب، ”ٹیکسلا“، ”ہمایوں“، شمارہ، جنوری ۱۹۴۲ء

۲۰۔ عبدالعزیز، ”محو شدہ تہذیب“، جلد ۵۸، شمارہ ۵، مئی ۱۹۵۰ء، ص ۳۴۳

کتابیات

۱۔ اختر وحید، ”موہن جودہرو“، جلد ۵۷، شمارہ ۲، فروری ۱۹۵۰ء، ص ۱۹۹

۲۔ اختر وحید، ”چار ہزار سال پہلے کی پاکستانی تہذیب“، جلد ۶۲، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۱۰

۳۔ اسد اشہری، ”پاکستان کے آثار قدیمہ“، جلد ۶۲، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص ۵۴

۴۔ اعزازالدین، ”ٹیکسلا“، جلد ۴۷، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۴۶ء، ص ۱۳۵

۵۔ بشیر احمد، ”نشاطِ باغ“، جلد ۱، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۲۲ء، ص ۹

۶۔ تاجور نجیب آبادی، ”جہانگیر اور اسکا مقبرہ“، جلد ۳، شمارہ ۲، فروری ۱۹۲۳ء، ص ۸۸

۷۔ تمکین کاظمی، ”دکن کے آثار قدیمہ“، جلد ۸، شمارہ ۶، جون ۱۹۲۵ء، ص ۳۲۷

۸۔ حامد دہلوی، ”قصر بخت نصر ثانی“، جلد ۱۶، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۲۹ء، ص ۵۴۱

۹۔ حسن نظامی، ”شاہان مغلیہ کی آخری قبر“، جلد ۱، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۲۲ء، ص ۶۴

۱۰۔ حسن نظامی، ”ہمایوں کا مقبرہ“، جلد ۱۲، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۲۷ء، ص ۲۳۲

۱۱۔ حسن نظامی، ”نسل ہمایوں کی یادگار“، جلد ۱۳، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۲۸ء، ص ۸۸

۱۲۔ حفیظ الدین، ”مصر کے آثار قدیمہ“، جلد ۷، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۲۴ء، ص ۲۰۹

۱۳۔ شمیم شیونرائن، ”شالامار باغ لاہور“، جلد ۱، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۲۲ء، ص ۵۷

۱۴۔ عبدالرحیم، ”بلنسیہ“، جلد ۱۶، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۲۹ء، ص ۷۶۵

۱۵۔ عبدالعزیز، ”محو شدہ تہذیب“، جلد ۵۸، شمارہ ۵، مئی ۱۹۵۰ء، ص ۳۴۳

۱۶۔ عبداللہ، ”مآثر ال توت غنخ امن“، جلد ۷، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۲۴ء، ص ۲۳۳

۱۷۔ مبارک علی سیالکوٹی، ”اہرام مصری اور توتنسخ امیں کا مقبرہ“، جلد ۸، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۲۵ء، ص ۳۳۹

۱۸۔ مقبول الرحمٰن، ”سمرقند“، جلد ۱۸، شمارہ ۶، دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۹۴۰

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

۱۹۔ منصور احمد، ”مقبرہ زبیدہ “، جلد ۱۷، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۳۰ء، ص ۱۴۸

۲۰۔ موسیٰ محمد موسیٰ، ”حیدر آباد دکن “، جلد ۷، شمارہ ۱، جولائی ۱۹۲۴ء، ص ۳۹

۲۱۔ ہلال احمد زبیری، ”تاج “، جلد ۹، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۲۶ء، ص ۲۴۳

۲۲۔ قدرت اسد خان، ”چین کی دیوارِ عظیم “، جلد ۲۰، شمارہ ۲، اگست ۱۹۳۱ء، ص ۶۰۷

۲۳۔ منصور احمد، ”طاق کسریٰ “، جلد ۱۸، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۳۰ء، ص ۷۷۷

۲۴۔ موسیٰ محمد موسیٰ، ”حیدر آباد دکن “، جلد ۸، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۲۵ء، ص ۱۴۶